غنی کشمیری

پروفیسر عبدالاحد رفیق

غنی کے مفصل حالات کہیں نہیں ملتے۔ علی جواد زیدی نے تمام معلوم ماخذ سے کچھ تفصیلی معلومات جمع کی ہیں۔ اور غلط اور صحیح اطلاعات میں فرق و امتیاز کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر کچھ اور معاصر حوالے مل جاتے تو ان کی زندگی کے متعلق مزید معلومات حاصل ہو جاتے۔ یقینی طور پر اتنا معلوم ہے کہ ان کا نام محمد طاہر تھا۔ ایشائی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے راجوری کدل میں قیام کئے ہوئے تھے۔ بقول نصر آبادی عربی و فارسی اور دیگر علوم متداولہ کی تعلیم اس دور کے ایک کشمیری فارسی شاعر بابا فغانی حاصل کی تھی اور شاعری کے رموز بھی اس سے حاصل کئے تھے۔ محمد علی ماہر کہتے ہیں ؎

چو دادش فیض صحبت شیخ کامل محسنِ فانی

غنی سر حلقۂ اصحاب او در نکتہ دانی شد

صحبت کا فیض کچھ اور چیز ہے۔ اور صحبت کو اُستادی نہیں کہا جاسکتا۔

شروع میں طاہر تخلص کرتے تھے۔ بعد میں عموماً غنی تخلص کرتے رہے۔ تاریخ وفات ۱۰۷۹ھ ہے۔ دیوان کے مرتب غنی کے شاگرد مسلم نے "زجیِ غنیا" در پنہاں شد

گنج ہنری زیر زمین سے تاریخ نکالی ہے۔ قریب العصر تذکرہ کلمات شعرا کے مولف محمد افضل سرخوش نے یہ بتا کر ہمیں مغالطے میں ڈال دیا ہے کہ "غنی" اس کے شعر کہنے کی تاریخ ہے۔ غنی کے اعداد ۱۰۶۰ نکلتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے ان کے اشعار کا خاصا چرچا ہو چکا تھا۔ ایران کے نامور شاعر مرزا صائب، ظفر خان احسن صوبیدار کشمیر کے ہمراہ ۱۰۴۳ھ میں آئے۔ اور وہ غنی کے اشعار سے بہت متاثر ہوئے۔ اُنہوں نے غنی کے تتبع میں یہ غزل کہی ہے

در جواب آن غزل صائب کہ میگوید غنی

یاد ایامی کہ در دیگِ شوقِ ما سرپوش داشت

اس واقعے سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ۱۰۴۳ھ میں غنی کا کلام اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ ایرانی شاعر ان کے کلام سے متاثر ہوا کم سے کم اس وقت ان کی عمر بیس سے تیس سال کے درمیان تو ہوگی۔ تذکرہ مراۃ الخیال مرتبہ ۱۱۰۲ھ نے بھی یہ لکھکر اس مغالطے کو تقویت دی کہ غنی نے عین شباب میں وفات پائی۔ حالانکہ غنی نے خود اپنی پیری اور ناتوانی کا ذکر کیا ہے

ز پیری چناں گشتہ ام ناتوان　　　　کہ دندان بجنبد بجای زبان

آدمی در عہد پیری بے خرد گردد غنی　　　　می شمارم طفلِ خود راریخت تا دندان مرا

غنی کے اپنے اشعار کی داخلی شہادت سے بھی ان کی زندگی کے متعلق معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔ لیکن ان کی زندگی کا تمام سرمایہ ڈاکٹر ظفر خان کے شمار کے مطابق غزل کے ۱۶۶۴ شعر رباعیات ۲۸۴ شعر اور مفردات کے ۴۶۹ شعر ہیں۔ ان میں سے اکثر عہد پیری اور کہولت میں لکھے گئے ہیں۔ ان اشعار کی داخلی شہادت سے

اس قدر واضح ہوا ہے کہ ان کی زندگی غربت اور عسرت میں گذری ہے ؎

روزِ خوش در زندگی ہرگز نصیب ما نشد
عمر در ماتم بسر بردیم چوں شمع مزار
چوں من کس بباغ جہاں تلخ کام نیست
پیمانہ ام ز زہر شدہ چو کوکنار
رفت عمرم در غریبی بر لباط روزگار

آخری عمر میں تو درد و شکستگی اعضا نے گوشہ گیری کے لئے مجبور کر رکھا تھا لیکن غنی نے اپنی یہ درد و عسرت کی زندگی قناعت و ہمت سے گذاری کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ وہ کہتے ہیں ؎

ما بفقر و فاقہ خورسندیم یم چو آسیا
گر رسد روزی غبار خاطرما می شود
دائم جوانم از مدد ہمت بلند
یعنی ز بارِ منتِ کس خم نگشتہ ایم

یہ یقین نہیں کہ زندگی میں ان کے کیا وسائل روزگار تھے۔ اتنا ظاہر ہے کہ ان کا اپنا ایک مکان تھا جو اب بھی انقلاب زمانہ کے باوجود مرمت کی وجہ سے موجود ہے۔ وہ خود کہتے ہیں۔

چوں نیست بجز خانہ مرا ہیچ متاعی
علیم نتواں کرد اگر خانہ بدوشم

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی درس و تدریس میں گذری اسطرح کچھ دانا

پانی کا انتظام ہو جاتا ہوگا وہ خود کہتے ہیں ؎

افتادہ ام از درس زدردِ اعضا

کو شاگردی کہ مالد اعضای مرا

غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ غنی مدت تک اپنے ہی شہر میں رہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے اُنہوں نے سفر ضرور کیا ہوگا۔ تب ہی وہ کہتے ہیں ؎

کردہ است ہوای ہند دگیر مرا

برنگ آبلہ پای درسفر مرا

ز شوق صبح وطن چشم ترسفید شدہ است

شاعر کی حیثیت سے غنی کا نام خاصا معروف ہے۔ تمام تذکرہ نویسوں نے اُن کے نکتہ رس ذہن کی تعریف کی ہے۔ محمد افضل سرخوش جو خود نکتہ یاب طبیعت رکھتے تھے غنی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ غنی ایک خوش خیال نازک بند معنی یاب شاعر تھا۔ انہی کی روایت ہے کہ صائب کیا کرتے تھے کاش جو کچھ میں نے اپنی زندگی میں کہا ہے اس کشمیری شاعر کو دے دیتا اور اس کا یہ شعر مجھے مل جاتا ؎

حسن سبزے بخط سبز مرکرد اسیرد

دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

سراج الدین علی خان آرزو جو خود اعلیٰ پایہ کے ادیب، شاعر اور نقاد تھے۔ غنی کے متعلق اُن کی رائے ہے کہ غنی کے مانند نہ کشمیر اور نہ کسی دوسرے ملک میں متاخرین میں کوئی ایسا شاعر پیدا ہوا ہے۔ تازہ مضامین کے بیان کرنے میں

Scanned with CamScanner

غنی کو کمال حاصل تھا۔ صفائی اور سلامت میں ان کے ہم عصروں میں ان کے برابر کوئی نہ تھا۔ عظمت اللہ بے خبر بھی ان کے لئے تائش کے کلمات بیان کرتے ہیں۔

ان کے مانند کوئی شاعر معنی یاب اور محاورہ دان خطۂ کشمیر میں پیدا نہ ہوا ہے۔

اور اس طرح فصاحت و بلاغت کے ساتھ شعر بیان کئے ہوں۔ اُن کا کلام فی الحقیقت بہار کشمیر ہے۔ ان کا دیوان شعرائے ندرتِ ادا میں بے نظیر ہے۔ غنی کو خود بھی احساس تھا کہ اس کی شاعری کے چرچے دُور دُور تک ہیں ؎

چناں نام من روشناس است در ہند
کہ نقش نگین در میانِ سیاہی

ان کا یہ شعر بھی سنئے ؎

غنی چرا صلۂ شعر از کسی گیرد
ہمیں بس است کہ شعرش گرفت عالم را

لیکن بعد میں۔ یا ممکن ہے کہ یہ شعر کہہ رکھا ہو ؎

نگردد شعر من مشہور تا جاں در تنم باشد
کہ بعد از مرگ آہو نافہ پیروں بو دہد بورا

غنی کے معلومہ حالات پڑھ کر ان کی زندگی کا جو نقشہ سامنے آتا ہے۔ اس میں شراب نوشی کا گذر نہیں۔ لیکن ان کے دیوان میں ایسے اشعار موجود ہیں جن سے شراب سے لطف اندوز ہونے کا ذکر اس قدر واضح ہے کہ اسے محض نکتہ آفرینی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بعض مقامات پر شراب سے شراب حقیقت بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ لیکن بعض اشعار میں الفاظ کے تلازمات سے شراب سے

شراب عادی بھی ہو سکتی ہے ؎

توبہ از می نکنم در پیری میکشی در شب مہتاب خوش است

می نیست چو در کاسہ مرا رعشہ بر اعضاء است

دستم بنظر پنجہ طنبور نواز است

گر جام می دمی بنود بر کفم غنی

دستم لبان دست بسوختنک می شود

دائم از مستی غنی در رقص چوں دولاب باش

گر بناشد می توان کرد آب در پیمانہ ہا

چشم ما روشن شد از خاک در میخانہ ہا

نتوان چو زاہد از رہ خشکی بکعبہ رفت

کشتی بہ بحر بادہ رواں می کنیم ما

آدمی خاکی از خامی دارد از مئی اجتناب

کوزہ گل پختہ چوں گردد نمی ترسد ز آب

غنی گرمی آواز اور تندی صہبا کو بھی لازم و ملزوم سمجھتے ہیں ۔ شراب کے بغیر آواز میں تیزی نہیں آتی ۔ اس خیال کو تو انہوں نے دو شعروں میں بڑے دلپذیر انداز میں بیان کیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں کی تاثیر سے واقف ہیں ؎

Scanned with CamScanner

آتش می تیز سازد شعلۂ آواز را

بر کدوی بادہ باید بست تار ساز را

اور دوسرا شعر ؎

بود از شعلۂ آواز قلقل بزم می روشن

سرت گردم مکن خاموش ساقی شمع مینا را

غنی کو نغمہ بھی مرغوب ہے۔ صوت و ساز دونوں کی دلنشینی اور تاثیر کو سمجھتے ہیں ان کا قول ہے ؎

دامنِ مطرب مدہ از دست در فصل بہار

رشتۂ گلدستہ عبث بود تارِ رباب

گر پردۂ ناموس کس از ناخن مطرب

در بزم طرب پارۂ نشد پردۂ ساز است

بہ نغمۂ دل چو نے بستند کم ظرفان و زیں غافل

کہ ایں می آخر از تندی کند سوراخ پہلو را

شعر کے بارے میں غنی کا نظریہ یہ ہے کہ تازہ مضمون کا حامل ہو تہ دار ہو۔ رنگین ہو، ان کا خیال ہے کہ شعر کہنے کے لئے استعداد کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں ؎

خامہ ہر چند رود لیک بمعنی نرسد
سعی کاری نکند چوں بنود استعداد

اپنی شعری ریاضت کے متعلق کہتے ہیں ؎

از فکر تا سخن نشود قابلِ رقم
مانند سرزگریباں نمی کنم

وہ کہتے ہیں کہ میرے اشعار تہ در تہ معانی سے لبریز ہیں ؎

می نماید سخنم سادہ و بی تونیت
از تر چشمۂ آئینہ کسی آگہ نیست

ان کا خیال ہے کہ رنگا رنگ اشعار سے جو لطف پیدا ہوتا ہے۔ تکرار مضامین سے وہ جاتا رہتا ہے ؎

غنی تار نفس چوں رشتۂ گلدستہ می گردد
زبانم گر بہ تقریر آورد اشعار رنگین را

در مکرر بستن مضمون رنگین لطف دنیست
کے دید رنگ ار کسی بند حنای بستہ را

تذکرہ نگاروں نے جس چیز کو معنی یابی خیال اور ادا بندی وغیرہ کہتے ہیں وہ یہی تازہ مضامین لانے اور باندھنے کی کوشش ہے شاعر کلام کو رنگین بنانے کے لئے صنائع لفظی کے سہارے ڈھونڈتا ہے۔ اور قدیم روش کے مطابق تجنیسات، محاورات اور رعایات لفظی سے کام لیتا ہے۔ غنی نے

بھی اس رنگ کے اشعار لانے میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے تازہ سے تازہ مضمون لانے کے لئے اُنہوں مثالیہ اسلوب اختیار کیا ہے ۔ وہ ایک مصرعے میں ایک مقولہ یا حکمت آمیز و نصیحت آموز مضمون پیش کرتے ہیں ۔ پھر دوسرے مصرعے میں اس کی تصدیق و تائید کے لئے ایک مثال پیش کرتے ہیں ۔ بس مثال لانے میں ہی ان کا کمال ہے۔ وہ حیات و کائنات اور فطرت کے مشاہدے سے ایسی ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن کو پڑھ تعجب و انبساط کا احساس ہوتا ہے ؎

برتو اضعہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی است

پای بوس سیل از پا افگند دیو را

ہر دم تازہ سے تازہ مضمون لانے کا خیال پھر اسے نئے سے نئے انداز میں باندھنے کی فکر اور اس کے ساتھ بھی تہ در تہ رکھنے کا انداز کبھی کبھی بے راہ کر دیتا ہے ۔ اسی طرح معانی میں ابہام پیدا ہوتا ہے ۔ ایک شعر دیکھئے ؎

دیدم میان یار و ندیدم زماں یار

نتوان ہیچ دید چو در دیدہ مو فتد

غنی کے نزدیک عشق کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔ چونکہ عشق محض ہوس کاری نہیں ۔ اس لئے محبوب بھی ہرجائی نہیں ہونا چاہے ۔ عشق زبردستی پیدا نہیں کیا جاسکتا ۔ بلکہ یہ تو ابتدائے آفرینش سے بھی انسان کے ساتھ ہے ۔ محبوب بھی نور عطا کرتا ہے ۔ اسی کے نور سے ہم اس کے حسن کو دیکھتے ہیں ۔ حسن فروزان ہو تو عشق فروزان تو ہوتا ہے ۔ عشق میں فقیر و بادشاہ دونوں کا امتیاز اٹھ جاتا ہے ۔ غنی اپنے عقاید کو مثالوں کے ذریعہ موکد و موافق بتاتے ہیں ؎

Scanned with CamScanner

عشق بر یک فرش بنشاند گدا و شاہ را
سیل یکسان میکند پست و بلندِ راہ را

ناتوانی عاشق معشوق ہر جائی مشو
میکند خورشید سرگردان گلِ خورشید را

نشد مرا ز قفس بیضۂ بلبل معلوم
کہ گرفتاری عشاق بود مادر زاد

چشم عاشق روشن است از پرتو دیدار دوست
شمع نخل وادی ایمن بود پروانہ را

تو بتیای چشم مہ جز پرتو خورشید نیست
ما بنور دوست می بینم حسن روی دوست

ترسم ظرف مہر نبوت شود آخر
ہر داغ عشاق بر سینہ گذارند

غنی کی دنیا خلوت گزینی مادی اسباب سے بے تعلقی، خاکساری اور قناعت و توکل کی دنیا ہے۔ یہ دنیا ذلت، ایستی، گداگری اور دوں ہمتی کی دنیا

نہیں بلکہ سرفرازی۔ استغنا اور ایمان کی دنیا ہے ؎

غنی اگرچہ فقیر است ہمتے دارد
فشاندہ است بکونین دست خالی را

روشن بقاعت شود آئینہ باطن
ماہی کہ دل افروز بود نان جویں است

ہر کہ چوں من زد قدم در راہ استغنا غنی
اطلس گردوں بپای ہمتش پاتابہ است

تا رزق خود رسد بدھانت چو آسیا
دائم خموش دار زباں سوال را

غنی کے نزدیک صفائی قلب اور نور باطن سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس سے حقایق حیات و کائنات منکشف ہوتے ہیں۔ اور دل تمام آفات سے محفوظ رہتا ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے سب سے پہلے شعورِ ذات یا عرفان نفس ضروری ہے۔ جب عرفان حاصل ہو جائے تو پھر ہر چیز کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

گردِ خود گردِ غنی چند کنی طواف حرم
رہبری نیست دریں راہ بہ از قبلہ نما

چشم ہر کس کہ شد از سرمۂ عرفان روشن
آتش طور زہر سنگ تواند دیدن

میتوان دید زہر ذرہ فروغ خورشید
دل اگر صاف شود روی زمین آئینہ است

فارغ بود از آفتِ کسی دل روشن

غنی قابلِ ستائش ہیں اور عزت و قدر کے مستحق۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنی زندگی کے تجربات و مشاہدات کو نہایت دل پذیر انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے صرف عالمگیر سچائیاں بیاں کی ہیں۔ اور رموزِ حیات کی طرف اشارے بھی کئے ہیں۔ اور زندگی میں کام آنے والی نصیحتیں بھی کی ہیں۔ ہمسائیوں اور ہم جنسوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور دوسروں کی مدد کرنے کے اصول بتائے ہیں مثلاً

سعی بر راحت ہمسائیگاں کردن خوش است
دستِ کس بگیر اگر دستت می دہد

توان ز چرب و نرمی کرد اسیر خویش سرکش را
کہ تار شمع دائم شعلہ را زنجیر پا باشد

وضع ملائم بود تمیز زباں را پسر
تیرہ نسازد نفس آئینہ آب را

رفیق اہل غفلت کے شد از کار می ماند
چو پای خفتہ پای دیگر از رفتار می ماند

غنی کا نام اس لئے بھی زندہ و پائندہ ہے کہ انہوں نے برا عظم پاک و ہند میں مثالیہ انداز کو کمال عروج پر پہنچا دیا۔ ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز بھی یہی ہے۔ یہ بڑا مشکل فن ہے۔ ہر مقولے کے لئے عین مناسب منطقی دلیل پیش کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ اس لئے غور و فکر اور دقتِ نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ غنی نے آئینہ، دریا موج حباب اور خصوصاً آسیا کے متعلق بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔ غنی نے فارسی زبان پر قدرت و مہارت دکھانے کے لئے محاورات کو استعمال کیا ہے۔ اور خاص طور پر رعایات لفظی کا ضرور خیال رکھا ہے ؎

مشکل بود گرفتن چیزی ز دست خلق
دستِ کسی بگیر اگر دست می دہد

کند در ہر قدم فریاد خلخال
کہ حسن گلرخاں یا در رکاب است

غنی کی شاعری کا ایک امتیازی نشان یہ بھی ہے کہ وہ دوسرے شعرا کی طرح صرف ایرانی شاعری کی روایات و تلمیحات، تشبیہات و استعارات استعمال نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اپنے وطن کی چیزوں اور ان کی خصوصیات کا بھی فکر کرتا ہے۔ جیسے سورج مکھی، پھول، پان، صندل وغیرہ ان اشعار میں ان کی مثالیں دیکھیے

میل خوردن پان گلرخاں ہندرا
عاشقان گوئی کہ از خوں خوردش داد آب

چو بہ سر بپای تو سودم زدرد سر رستم
بخاں پای تو ام کرد کار صندل سرخ